عالمی روٹی گردی

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

03-19-2013

خوش فہمی جب انتہا کو پہنچتی ہے تو وہ نرگسیت میں بدل جاتی ہے۔ فرد، افراد یا قوم جب خود پسندی اور خوش فہمی کو اپنانا شروع کر دیں تو وہ اپنے آپ کی سب سے اعلیٰ، منفرد اور شاندار تصور کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایسا رجحان کم تعلیم یافتہ افراد یا معاشروں میں پایا جاتا ہے جن کو اپنے علاوہ ارد گرد یا جہان میں برپا حقیقتوں کا ادراک نہایت کم ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ایشیا کا سب سے بڑا اپل، ایشیا کا سب سے بڑا افلائی اوور، ایشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی، ایشیا کی سب سے بڑی عمارت، سب سے بڑا افلاں فلاں۔۔۔۔۔لیکن ہم اگر صرف یہ تصور کرلیں کہ ایشیا میں دنیا کی جدید اور عظیم ترین ریاستیں اور اقوام ہیں۔ اگر ہم مطالعے اور علم میں مکمل ہوں تو ایسی غلط فہمیاں ہرگز ہمارے دماغ میں فتور کی طرح رچ بس نہ جائیں۔ ہمارے اکثر کالم نگار جو شاعر بھی ہوتے ہیں، ان کے کالموں میں راقم نے اکثر پڑھا، ''میں امریکہ گیا وہاں عالمی اردو مشاعرہ تھا، اس میں پاکستان سے میں اور بھارت سے فلاں شاعر شریک تھے۔'' گویا یہ عالمی مشاعرہ ہو گیا۔ ایسے ہی خلیجی ریاستوں میں عالمی اردو مشاعرے اور اردو ادب کے حوالے سے عالمی تقریبات کی اطلاعات انہی معزز کالم نگاروں کے کالموں سے ہم تک پہنچتی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے ترکی کے ایک ادیب اورحان کمال کی چار کتابوں ''باپ کا گھر''، ''جمیلہ''، ''ناظم حکمت کے ساتھ جیل'' اور ''بیکار کے مہ و سال'' کے اردو ایڈیشنز کی اشاعت پر ایک گفتگو کا اہتمام کیا گیا۔ راقم ایک عرصے سے عالمی ادب، تاریخ اور سیاسی کتب کے تراجم کے مشن سے وابستہ ہے اور بقول مستنصر حسین تارڑ جن کو میں صرف پاکستان کا چوٹی کا ادیب ہی نہیں بلکہ عالمی ادب کے حوالے سے وسیع المطالعہ شخص بھی جانتا ہوں، ان کا یہ کہنا میرے لیے کسی سرکاری اعزاز سے کم نہیں کہ ''فرخ جو تم کر رہے ہو وہ پاکستان میں کہیں نہیں ہو رہا''۔ انہوں نے بھی ان کتب کی اشاعت پر راقم سے فرمایا کہ اورحان کمال کا نام میرے مطالعے میں ایک نیا اضافہ ہے۔ لہٰذا اورحان کمال کی کتب پر گفتگو کے دوران ہمارے ایک کالم نگار، جو شاعر بھی ہیں، ادیب بھی ہیں اور چالیس سال قبل ترکی بھی جا چکے ہیں، انہوں نے اپنی گفتگو میں ترکی میں چند ترک بہن بھائیوں کی اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کرنے کی خبر اور ان اردو کے ترک اساتذہ کی طرف سے استنبول میں ایک ادبی تقریب پر بڑی تفصیل سے یہ فرمانا شروع کر دیا کہ ''ترکی میں ہماری اردو بڑی مقبول ہو رہی ہے۔'' معلومات کی کمی نہیں بلکہ سرے سے معلومات نہ ہونے کے ناتے، انہیں یہ علم نہیں کہ ترکی میں گریجویشن کے بعد ایک غیر ملکی زبان پڑھنا لازمی ہے۔ لہٰذا ترک حکومت کی اس پالیسی کے تحت چند ترک نوجوان اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کر گئے، لیکن ہمارے یہ کالم نگار دوست منٹوں ترکی میں اردو کی مقبولیت اور اپنی زبان کی کامیابی کی کہانی کی لسی میں پانی ڈال کر مدھانی ہلاتے رہے۔ ان کی گفتگو کے بعد راقم نے جو کہا اس کا اندازہ آپ اس مختصر تحریر سے کر سکتے ہیں۔

ہمارے شعرا اور ادیبوں کو یہ بھی گھمنڈ ہے کہ ہم ایسا ادب تخلیق کر رہے ہیں جو دنیا میں اپنے جیسے ممالک کے ادبا تخلیق کر رہے ہیں اور خوش فہمی کا کچھ ایسا ہی حال ہماری صحافت کا بھی ہے خصوصاً الیکٹرانک میڈیا سے وابستہ لوگوں کا۔ امریکہ اور یورپ کا میڈیا تو دُور وہ کبھی عرب دنیا کے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا مطالعہ کریں تو ان کو اپنے Contents اور پروڈکشن کی حقیقت کا ہی علم ہو جائے۔ ہم نے ٹی وی ڈراموں میں ایک مقام حاصل کیا لیکن اس نے بھارت میں بھی اس قدر مقام حاصل نہیں کیا جس قدر ہمارا دعویٰ ہے۔ دوسری تہذیبی سرحدیں

تو درکنار اب ہمیں احساس ہوا کہ ہم ٹی وی ڈرامہ میں کہاں کھڑے ہیں جب صرف ترکی کے چند ایک ڈرامے اردو زبان میں منتقل ہو کر ہم تک پہنچے۔

خود پسندی اور نرگسیت کے اس رجحان کو ہمارے کالم نگاروں نے بھی بڑی تقویت دی جو اکثر برطانیہ، یورپ، امریکہ اور خلیجی مما لک میں وہاں بسنے والے پاکستانی تارکین وطن کے مہمان نوازی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ افسوس کے ساتھ، سب نہیں مگر ہمارے تارکین وطن کی اکثریت سماج کے ان طبقات سے تعلق رکھتی ہے جو تعلیمی طور پر نہایت پسماندہ ہیں اور تلاشِ روزگار کے لیے بیرون ملک چلے گئے۔ بڑے بڑے ''جید کالم نگار''، برطانیہ، امریکہ، یورپ اور خلیجی مما لک کے ان پاکستانی تارکین وطن کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کی برپا کی گئی ادبی تقریبات میں شامل ہو کر ''عالمی مشاعروں'' میں شرکت کا اعزاز حاصل کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسری تحقیقی حقیقت ہے ہمارے پاکستانی تارکین وطن دوسرے تارکین وطن کے مقابلے میں وہاں کے مغربی سماجوں سے دُور علیحدہ Gatoos (اپنی مخصوص آبادیوں) میں رہتے ہیں اور وہاں کی Main Stream زندگی کا بہت کم حصہ بنتے ہیں۔ اس کا ذکر سموئیل پال ہنٹنگٹن نے بھی اپنی کتاب ''تہذیبوں کے تصادم'' میں کیا ہے۔ جیسے نیویارک میں Coney Island کی ایک آبادی کو فخر کے ساتھ ''لٹل پاکستان'' قرار دے کر ہمارے تارکین وطن ایک ایسی آبادی آباد کیے ہوئے ہیں جس پر امریکہ کی کسی آبادی کا گمان ہی نہیں ہوتا۔

تعلیمی، سماجی، علمی اور معیارِ زندگی کے حوالے سے بھی تارکین وطن کی اِن آبادیوں میں تقریبات میں شمولیت کو ہمارے ''قومی کالم نگار''، عالمی مشاعروں اور کانفرنسوں میں شرکت قرار دے کر کیا یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اپنے ادب کو عالمی مقابلے کے لیے پیش کر رہے ہیں؟ اگر ہم غور سے دیکھیں تو ہمارے ''قومی کالم نگار'' اپنے ان ''عالمی دوروں'' میں تارکین وطن کی مہمان نوازی کی کہانیوں کو نمایاں مقام بخشتے ہیں۔ ان کے کالموں میں ان کے کھانوں کا ذکر، تارکین وطن کا مادرِ وطن کے لیے دردِ دل رکھنا نمایاں ہوتا ہے۔ ہمارے ایک دوست پاکستان کے ان ''عالمی ادیبوں'' کو ''عالمی روٹی گرد'' قرار دیتے ہیں اور ان جید شاعروں، ادیبوں اور کالم نگاروں کے سفروں کو ''عالمی روٹی گروی'' قرار دیتے ہیں جو پاکستانی تارکین وطن کی روٹیاں اڑا کر اپنے پیٹ اور کالم میں سیاہی بھرتے ہیں۔